امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خوش گوار یادیں، ایمان افروز واقعات

مولانا محمد یٰسین
(نائب مہتمم: جامعہ قاسم العلوم، ملتان)

میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے تحریک آزادی کے عظیم رہنما امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی رفاقت میسر آئی۔ میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں زیرِ تعلیم تھا اور شاہ جی کا گھر مدرسہ کے قریب۔ تعلیمی مصروفیت کے بعد جو وقت بچتا میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ میرا زیادہ وقت شاہ جی کی مجلس علم و عرفان میں ہی گزرتا۔ ان کی مجلس میں عام لوگ بھی ہوتے اور بڑی شخصیات بھی۔ لیکن وہ سب کو محبت سے ملتے اور احترام دیتے۔ مجھ جیسے ایک طالب علم کو بھی ان کی بے پناہ شفقت و مہربانی میسر آ گئی تھی۔ شاہ جی کو ہم سے جدا ہوئے پچاس برس بیت چکے ہیں مگر اُن کی یادیں ان کی باتیں اور بعض واقعات آج بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔

ایمان کی حفاظت:

ایک مجلس میں فرمایا:

''دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں۔ مال، جان، آبرو، ایمان۔ جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہیے۔ آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں قربان کر دیں۔ لیکن ایمان پر کوئی ابتلاء آئے تو مال، جان اور آبرو سب کچھ نثار کر دو۔ اگر اِن سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔''

بہادر اور بزدل:

اکثر فرمایا کرتے:

''شریف کبھی بزدل نہیں ہوتا اور کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ کمینے پر جب کوئی ابتلاء آتی ہے تو دشمن کے سامنے ایڑیاں رگڑتا ہے اور شریف، جب دشمن اس کے قابو آتا ہے تو اُسے معاف کر دیتا ہے۔ ماضی کے کسی واقعے پر اُسے مطعون نہیں کرتا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور بہادری دیکھیے، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کعبہ میں کیوں نماز ادا نہیں فرماتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری قوم نہیں پڑھنے دیتی۔'' حالانکہ کعبہ میں نماز پڑھنے میں ایک رکاوٹ خود حضرت عمر تھے مگر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ عمر! تم نہیں پڑھنے دیتے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ، کیا شرافت اور اخلاق ہے:

ع ...... سبحان من یراہ چہ شانِ محمد است

سکندر مرزا کی خواہش:

۹ رمئی ۱۹۵۸ء کو سابق صدر سکندر مرزا ملتان آئے۔ ان کی خواہش تھی کہ شاہ جی انہیں گیلانیوں کی دعوت پر ملیں۔ انہوں نے مظفر علی شمسی کو شاہ جی کی خدمت میں بھیجا۔ مظفر علی شمسی نے جب اپنی آمد کا مدعا بیان کیا تو شاہ جی نے کہا شمسی! میں تمہارے کہے پر عمل نہیں کر سکتا۔ اگر مرزا صاحب میرے جھونپڑے پر آجائیں تو وہ بھی بلند ہو جائیں گے اور میں بھی۔ لوگ کہیں گے صدر مملکت ایک درویش کی کٹیا میں گیا۔ اگر میں انہیں ملنے جاؤں تو اپنی عمر بھر کی کمائی برباد کر بیٹھوں گا۔ پھر مجھے اُن سے کوئی کام نہیں، انہیں کام ہے تو خود آجائیں۔ شمسی صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے اور سکندر مرزا کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

فدوی:

شاہ جی نے امرتسر میں دو مکان چھوڑے تھے۔ جب پاکستان آئے تو عقیدت مندوں نے اصرار کیا کہ متروکہ مکانوں کی الاٹمنٹ کے لیے درخواست دیں مگر شاہ جی نے کہا بھائی! عمر بھر میں نے مالک حقیقی کے سوا کسی کے سامنے فدوی بن کر درخواست نہیں گزاری اب کون سی ایسی ضرورت ہے کہ اپنے مالک سے منہ موڑ لوں۔ چنانچہ آپ نے کرائے کے ایک تین کمروں کے مکان میں اپنی بقیہ عمر گزاری۔ بعض مخلص دوستوں نے کلیم داخل کر دیا۔ شاہ جی کو بدلے میں مکان بھی الاٹ ہو گیا لیکن درخواست پر فدوی نہیں لکھا۔

ذریعہ آمدن:

ایک روز آپ کے ایک عزیز ترین عقیدت مند سلیم اللہ خان راشن کارڈ کا فارم لے آئے۔ سلیم اللہ خان (مرحوم) نے جب آمدنی کی بابت پوچھا تو آپ نے مسکرا کر یوں کہا ''کبھی دھن دھنا، کبھی مٹھی بنا، کبھی یہ بھی منع'' آپ کا ذریعہ معاش فقط ذات باری پر توکل تھا۔ آپ نے کبھی کسی عقیدت مند کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا اور کبھی کسی مقروض کا ہدیہ قبول نہیں کیا۔ ایک دفعہ ایک فقیر نے دروازے پر صدا دی۔ شاہ جی نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے۔ اپنے رب حقیقی سے مخاطب ہو کر عرض کیا: یا اللہ! میں تیرا سائل ہوں اور یہ تیرے بندوں کا سائل ہے۔ پھر عربی کا یہ قطعہ پڑھا۔

لا تَسْئَلَنْ بَنِی آدَمَ حَاجَةً
وَاسْئَلِ الَّذِی اَبْوَابُهُ لا تُغْلَقُ
واللّٰهُ یَغْضِبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَهُ
وَ بَنُوا آدَمَ حِیْنَ یُسْئَلُ یَغْضِبُ

ترجمہ: آدم کی اولاد سے کوئی حاجت نہ مانگ۔ اس سے مانگ جس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوئے۔ اللہ اس وقت ناراض ہوتا ہے جب اس سے تو مانگنا چھوڑے۔ اور اولادِ آدم اس وقت غصے ہوتی ہے جب اس سے کوئی مانگے۔

جیل میں رقم لے جانے کی تدبیر:

شاہ جی سنایا کرتے کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ کو دیناج پور جیل بھیج دیا گیا۔ آپ کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور جمعیت العلماء ہند کے چند رہنما بھی تھے۔ جیل کے دروازے پر وارڈر نے تلاشی لینی شروع کردی۔ جیل میں سیاسی قیدیوں کے لیے روپے لے جانا سخت منع تھا۔ جن لیڈروں کے پاس رقم تھی انہوں نے واپس کردی۔ شاہ جی کے پاس بھی ۶۲ روپے کی رقم تھی۔ انہیں جیل میں رقم کی اہمیت کا علم تھا۔ اس لیے ہر قیمت پر یہ روپے اندر لے جانا چاہتے تھے۔ ساتھیوں نے منع کیا مگر آپ باز نہ آئے۔ آخر تلاشی کرتے کرتے ان کی باری بھی آگئی۔ انہوں نے بڑے رومال کے پہلو میں روپے باندھ رکھے تھے وارڈر کے دیکھتے دیکھتے انہوں نے رومال اگلے قیدی کے کندھے پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھ تلاشی دینے کے لیے بلند کردیے۔ اس طرح یہ ۶۲ روپے جیل میں پہنچ گئے۔ شاہ جی نے اس رقم سے سگریٹ خرید کر ان سیاسی قیدیوں میں تقسیم کردیے جو محض سگریٹ نہ ملنے کے باعث معافی مانگ کر رہا ہو جاتے۔

مولانا آزاد کی چائے:

اسی جیل کا واقعہ ہے۔ ایک روز مولانا آزاد نے بڑے اہتمام سے چائے بنائی اور شاہ جی کو پیش کی۔ شاہ جی نے چائے پی لی اور چپکے ہو رہے۔ شاہ جی کو خاموش دیکھ کر انہوں نے خود کہا ’’میرے بھائی! چائے کیسی رہی؟ شاہ جی بولے کہ ایک چیز کی کمی تھی۔ مولانا آزاد کا ماتھا ٹھنکا اور چہرے پر شکنیں آگئیں۔ فرمانے لگے وہ کیا میرے بھائی؟ شاہ جی نے کہا اس میں زعفران نہیں ہے۔ مولانا نے اطمینان کا سانس لیا اور فرمایا ہاں میرے بھائی! پھر وعدہ کیا کہ اگلے روز مزعفر چائے پلائیں گے۔ دوسرے روز زعفران سے معطر چائے تیار تھی مگر عین اس وقت سپرنٹنڈنٹ دور سے آتا دکھائی دیا۔ مولانا بڑے گھبرائے کیونکہ جیل کے ضوابط کے مطابق دو طرح سے مجرم تھے ایک یہ کہ انہیں مولانا کے پاس آنے کی اجازت نہیں تھی وہ وارڈر کو جل دے کر ان تک پہنچے تھے۔ دوم یہ کہ چائے کا لطف اٹھایا جا رہا تھا۔ آخر مولانا اٹھے اور دور جا کر سپرنٹنڈنٹ کا نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سپرنٹنڈنٹ کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ وہ پھولا نہ سمایا اور مولانا سے باتیں کرتا ہوا دوسری جانب چلا گیا۔ ادھر شاہ جی مزے سے چائے پیتے رہے۔

شاعروں، ادیبوں سے تعلق:

شاعروں اور ادیبوں سے آپ کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ سخن فہمی کا ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ اس لیے شعراء آپ کو اپنا کلام سنانے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ہم عصر شاعروں میں سے آپ کو ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر سے خاص انس تھا۔ آپ ہمیشہ ان کی غیر ملکی بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ بیگم تاثیر آپ کا بڑا احترام کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کو تعجب ہونے

لگا۔ ایک دن اپنے اسی تعجب کا اظہار ڈاکٹر تاثیر سے کیا تو تاثیر نے جواب دیا شاہ جی یہ جس ملک کی رہنے والی ہے وہاں بہو بیٹی کا سا مقام نہیں دیا جاتا۔

ایک دفعہ معروف شاعر سید عبدالحمید عدم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کافی دیر تک عدم کا کلام سنتے اور داد دیتے رہے۔ عدم کے جانے کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ ''شاہ جی! عدم شراب پیتا ہے'' آپ کے چہرے پر رنج سے شکنیں ابھر آئیں اور کبیدہ خاطر ہوگئے۔ آپ نے کہا ''تم نے اپنی آنکھوں سے اسے شراب پیتے دیکھا'' کہنے لگا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر سُنی سُنائی بات کیوں کرتے ہو؟ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے کہا ''تو پھر خاموش رہو، درگزر او رچشم پوشی ربانی صفت ہے اس لیے تم بھی چشم پوشی سے کام لیا کرو۔''

ایک تاریخی جلسہ:

مراد آباد میں سائمن کمیشن کی رپورٹ کے خلاف جلسہ تھا۔ جس میں شاہ جی کے علاوہ جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو، سید محمود اور دیگر معزز لیڈر شامل تھے۔ شاہ جی نے محسوس کیا کہ جو کچھ مجھے کہنا تھا یہ حضرات کہہ چکے ہیں۔ زندگی میں پہلی بار شاہ جی کو پریشانی کا احساس ہونے لگا کہ آخر وہ کھڑے ہوکر کیا کہیں گے۔ اب سوائے اس کے چارہ کار کیا تھا کہ وہ اپنی تقریر کو ان جملوں کے ساتھ ختم کردیں ''حاضرین اس موضوع پر میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ مجھ سے پہلے کہا جا چکا ہے۔ لہٰذا میں شکریے کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں''۔ مگر یہ تو اظہارِ شکست تھا۔ آخر بادل نخواستہ شاہ جی مائیک کا سہارا لے کر اٹھے۔ جب کھڑے ہوئے تو دیکھا سامنے کچھ لوگ سائمن کا علامتی جنازہ اٹھائے کھڑے ہیں اور سائمن کمیشن مردہ باد کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ شاہ جی کی زبان سے غالب کا یہ شعر بے ساختہ نکلا

ہوئے مر کے تم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

شعر کہنا تھا کہ حاضرین پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ کافی دیر تک واواہ کا شور بلند ہوتا رہا۔ یہ شعر لوگوں نے کئی بار سنا ہوگا مگر بخاری کی زبان میں کچھ اور ہی رس تھا۔ یہ حالت دیکھ کر موتی لال نہرو پکار اٹھے۔ ارے ارے ارے! شاہ جی غضب کے آدمی ہو۔ کیا ہوگیا لوگوں کو؟

ایمان کا معیار:

جنرل محمد ایوب خان اقتدار کے سنگھاسن پر نئے نئے قابض و براجمان ہوئے تھے۔ ان کے مارشل لاء کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ ایک روز شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سلیمی دواخانہ (کچہری روڈ) تک جانے کے لیے گھر سے چلے تو میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ راستے میں چلتے چلتے میں نے ملکی سیاسی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض حکومتی اقدامات کی تعریف شروع کردی۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ حضرت شاہ جی اپنی لاٹھی پر دونوں ہاتھ رکھ کر وہیں رک گئے اور مجھ سے مخاطب ہوکر

فرمانے لگے:

''مولوی یٰسین! تمہیں تو معلوم ہے کہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ایمان کے تین درجے ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) منکرات کو ہاتھ کی طاقت سے روکو، اس پر اختیار نہ ہوتو......

(۲) زبان سے روکو، اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتو......

(۳) دل میں برا سمجھو اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

پہلے درجے پر عمل کی نوبت تو آئی نہیں۔ لیکن اللہ کی توفیق سے میں نے دوسرے درجے پر پوری قوت سے عمل کیا، جس بات کو حق سمجھا اس کی حمایت میں اور جسے غلط سمجھا اس کی مخالفت میں اپنی زبان کو خوب استعمال کیا۔ اس کی پاداش میں شدائد کی کبھی پروا نہیں کی، مصائب پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔ اب صحت جواب دے گئی ہے اور تم میرے سامنے حکمرانوں کی تعریفیں کر کے مجھے ایمان کے تیسرے درجے سے بھی محروم کرنا چاہتے ہو۔ تم نے مارشل لاء دیکھا نہیں، یہ دنیا کا بدترین نظام ہے۔

یاد رکھو! جس دن ہمارے دلوں میں حکمرانوں کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوگیا اور حکمران ہم سے مطمئن ہوگئے، وہ ہمارے ایمان کی جاں کنی کا آخری دن ہوگا۔ حکمرانوں کا ہمارے درپئے آزار رہنا ہی ہمارے ایمان کی علامت ہے۔''

احتسابِ ذات:

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ حکیم محمد حنیف اللہ (مرحوم) کے مطب میں بیٹھے تھے کہ اچانک خود کلامی کرتے ہوئے اپنی ذات پر تنقید شروع کردی۔ کچھ ایسے ہی جملے تھے......

تم نے کیا تقریر کی...... تمہیں آتا کیا ہے...... لوگ تمہیں سننے آئے تھے کیا...... تمہاری حیثیت کیا ہے؟...... اللہ نے تم سے تقریر کرائی...... لوگ تو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتیں سننے آئے تھے۔ جب خاموش ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ آپ کس سے مخاطب تھے؟ فرمانے لگے کچھ نہیں! دہلی کا ایک جلسہ یاد آگیا تھا۔ میری تقریر سننے کے لیے لاکھوں لوگ جمع تھے۔ زندہ باد کے نعرے گونج رہے تھے۔ بس یہ خیال آیا ہی تھا اور میں استغفار میں مشغول ہوگیا۔ میں تو اپنا احتساب کررہا تھا۔ کہ وہ تقریر اللہ نے مجھ سے کرائی، لوگوں کو اللہ نے جلسہ میں بھیجا، میری کیا اوقات ہے، یہ تھا شاہ جی کا جذبۂ احتسابِ ذات۔

ایک ظریفانہ تبصرہ:

ایک مجلس میں حضرت شاہ جی جدوجہدِ آزادی کے بعض یادگار واقعات سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے:

ایک دفعہ مولانا احمد سعید دہلوی اور میں ایک تقریر کے ضمن میں دہلی میں گرفتار ہوگئے۔ کسی نے جامع مسجد دہلی کے امام صاحب سے ہماری گرفتاری کا ذکر کیا تو وہ فرمانے لگے:

''ارے بھائی! ان کا کیا حال پوچھتے ہو؟ وہ تو اللہ میاں کے ہاں سے جیل خانہ لکھوا کر آئے ہیں۔ اچھا ہوا

کسی نیک کام میں پکڑے گئے۔ انگریز کے خلاف تقریر کرنے کے الزام میں نہ پکڑے جاتے تو کسی اور الزام میں دھر لیے جاتے۔ جیل تو انھیں بہر حال جانا تھا۔''

شاہ جی، امام صاحب کا یہ ظریفانہ تبصرہ سن کر دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

مصائب میں صبر:

بیماریوں کے ہجوم اور مصائب کی یلغار میں اس کوہِ استقامت کے معتقدات میں ادنیٰ لغزش بھی رونما نہ ہوئی، ہر مزاج پرسی کرنے والے کو خندہ پیشانی سے الحمد للہ کہہ کر جواب دیتے۔ فرماتے ''ہاں بھائی! الحمد للہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟۔ اِس سے بدتر حالت بھی تو ہوسکتی ہے اور میں تو اُدھر سے شر کا قائل ہی نہیں ہوں، کوئی اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن یا شریک ہیں جو ہمیں شر اور ایذا پہنچائیں، اُدھر تو خیر ہی خیر ہے، صرف ہمارا استعمال بعض چیزوں کو شر بنا دیتا ہے وہاں تو خیر ہی خیر ہے، وہ جو کچھ ہمارے لیے کرتے ہیں بہتر ہوتا ہے اگر چہ وہ ہمارے فہم سے بالاتر کیوں نہ ہو۔''

اس کے بعد ایک مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ ان کی خدمت میں ایک رئیس حاضر ہوا، اس نے عرض کیا: ''حضرت! کچھ پریشانیاں ہیں دعا کرو'' حضرت مجذوب نے فرمایا ''یہی پریشانیاں کہ خدا آپ کی بات نہیں مانتا یعنی جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔ تو آپ اس کی بات مان لیجئے وہ اس کے زیادہ لائق ہے پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بھائی اس کے سوا چارہ نہیں۔ الحمد للہ کہنے ہی میں خیر ہے۔

مجھے شاہ جی کی رفاقت میں جتنے دن بھی میسر آئے وہ میری زندگی کا سرمایۂ عزیز ہیں۔ میرے فکر و عقیدہ کی اصلاح ہوئی، اعمال درست ہوئے، لکھنے پڑھنے اور بولنے کا سلیقہ سیکھا اور شعر و ادب سے مناسبت پیدا ہوئی۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ ۲۱ر اگست ۱۹۶۱ء کو ان کے انتقال کے بعد تجہیز و تکفین کے تمام مراحل میں شریک رہا۔ شاہ جی زندہ تھے تو لاکھوں کے مجمع سے خطاب فرماتے۔ انتقال ہوا تو لاکھوں مسلمان اُن کی نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔ اُنھوں نے فقیرانہ زندگی میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کی۔ اُن کو ہم سے جدا ہوئے نصف صدی ہوگئی لیکن لوگوں کے دلوں میں اُن کا احترام آج بھی موجود ہے۔